حدود وقصاص میں ڈی این اے ٹیسٹ کی شرعی حیثیت

(The Islamic Legal Position on the Use of DNA in *Ḥudūd* and *Qiṣāṣ* Penalties)

☆ معراج الاسلام ضیاء
☆ جنید اکبر

Abstract

The past decade has seen great advances in a powerful criminal justice tool: deoxyribonucleic acid, or DNA. DNA can be used to identify criminals with incredible accuracy when biological evidence exists. By the same token, DNA can be used to clear suspects and exonerate persons mistakenly accused or convicted of crimes. In all, DNA technology is increasingly vital to ensuring accuracy and fairness in the criminal justice system. The following article aims at explaining the legal status of the use of DNA in the Islamic Law for proving cases of *Ḥudūd* and *Qiṣāṣ* penalties and argues that DNA technology does have a significant role to play in the administration of criminal justice; but it must be acknowledged that, while it is an increasingly important tool in criminal investigation, it is not a "magic marker" conclusively identifying guilty persons. Its true contribution must be kept in perspective yet there are still issues to be addressed. The article concludes that forensic evidence (i.e. fingerprints, ballistics, blood samples, DNA etc.) and other circumstantial evidence cannot be accepted in *ḥudūd* and *qiṣāṣ* cases in lieu of witnesses or confession.

۲۹مارچ، ۲۰۱۲ء کے اخبارات میں یہ خبر اکثر قارئین کی نظر سے گزری ہوگی:

"پشاور... کرک کی اجتماعی زیادتی کا نشانہ بننے والی عظمی ایوب کے کیس کے آخری ملزم شکیل خان کا ڈی این اے ٹیسٹ کر لیا گیا۔ ایس ایس پی انوسٹی گیشن کوہاٹ عتیق شاہ وزیر کے مطابق کرک کی اجتماعی زیادتی کا نشانہ بننے والی عظمی ایوب کے آخری مبینہ ملزم شکیل خان کے ڈی این اے ٹیسٹ کر لیے گئے ہیں۔اس طرح مجموعی طور

* پروفیسر/ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ اریبک سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی
* پی ایچ۔ڈی سکالر شعبہ اسلامیات، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ اریبک سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی

پر اس کیس میں ماں بچی سمیت پندرہ ڈی این اے ٹیسٹ لئے گئے ہیں۔ جن میں بارہ کے ٹیسٹ منفی آنے پر آخری ملزم شکیل خان کا ڈی این اے ٹیسٹ آج کیا گیا۔ جس کی رپورٹ آئندہ چند روز میں آ جائے گی"

اس طرح کے واقعات میں ڈی این اے ٹیسٹ کو کس حد تک شرعاً معتبر تسلیم کیا جاسکتا ہے، اور حدود و قصاص میں ڈی این اے ٹیسٹ کا کیا دائرہ کار ہے؟ اس کے متعلق درج ذیل سوالات اٹھتے ہیں:

- ڈی این اے ٹیسٹ حدود و قصاص میں کس قدر کار آمد ہے؟
- آج کل قاتل کی شناخت کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ کرایا جاتا ہے اور جائے قتل کے پاس سے کوئی چیز مل جائے، جیسے بال یا خون وغیرہ، تو جو فارنسک نمونہ (Forensic Sample) جائے واردات سے اٹھایا جاتا ہے، کیا اس صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ کی بنیاد پر کسی کو قاتل قرار دیا جاسکتا ہے؟
- ڈی این اے کے ذریعہ زانی کی بھی شناخت کی جاتی ہے اور اگر عورت کے جسم کے مادۂ منویہ کا نمونہ حاصل کر لیا جائے، تو زانی کی شناخت ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعہ بہ آسانی کی جا سکتی ہے، زنا کے ثبوت میں اس ٹیسٹ کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟
- اجتماعی آبروریزی کی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ کا کیا حکم ہو گا؟
- کسی شخص کو گواہوں اور اقرار کی عدمِ موجودگی میں محض ڈی این اے ٹیسٹ کی بنا پر مجرم قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ان سوالات کے جوابات کے لیے اس بحث کو ایک تمہید اور دو مباحث میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ تمہید میں ڈی این اے ٹیسٹ کی تاریخ اور تعارف پیش کیا جائے گا، پہلی بحث میں حدود و قصاص کے ثبوت کے لیے شرعی دلائل کا جائزہ لیا جائے گا، جب کہ دوسری بحث میں ڈی این اے ٹیسٹ کے حدود و قصاص میں دائرہ کار کو فقہاء کرام کے اقوال کے تناظر میں بیان کیا جائے گا، اور آخر میں نتائج بحث اور سفارشات پیش کی جائیں گی۔

تمہید:

ڈی این اے (DNA) ٹیسٹ کی تاریخ اور تعارف

ڈی این اے علم الحیات (Biology) کے شعبہ علم التوارث (Genetics) کی اصطلاح ہے، اس اصطلاح کا پورا نام "ڈی آکسی رائبو نیوکلک ایسڈ" (Deoxy-Ribo-nucleic Acid) ہے۔ ڈی این اے کو عربی زبان میں "بصمة الحمض

النووي'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مختصر الفاظ میں اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ " ڈی این اے ایسے موروثی مادے کا نام ہے جو ہر ذی روح میں موجود سینکڑوں خلیوں میں پایا جاتا ہے، اور ایک نوع کے ذی روح کو اسی نوع کے دوسرے ذی روح سے ممتاز کرتا ہے"[1]۔

اس کی دریافت میشر (Miescher) نے ۱۸۶۹ء میں کی تھی اور اسے مواد میں پائے جانے والے خلیہ سے نکالا گیا تھا۔ ایوری (Avery)، ہیکلیاڈ (Macleord) اور مکارٹی (McCarthy) نے اس کے موروثی مادہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ جب کہ واٹسن (Watson) اور کرک (Crick) نے مل کر اس کا پہلا جامع نظریہ ۱۹۵۳ء میں پیش کیا۔ اس دریافت پر انہیں نوبل انعام سے نوازا گیا۔

ڈی این اے تین کیمیاوی مواد: "شکر ((Deoxyribose(S))، فاسفیٹ ((Phosphate(P)) اور کھار ((Base(B))" پر مشتمل ہوتا ہے۔

کھار چار طرح کے ہوتے ہیں: ایڈنین (Adenine)، گوانین (Guanine)، سائٹوسین (Cytosine) اور تھائمین (Thymine)۔ یہی چار کھار ڈی این اے کی خصوصیات ہوتے ہیں۔

ڈی این اے دو دھاگوں کا مرکب ہے جو ایک دوسرے سے گھماؤ دار سیڑھی کی طرح مل کر بنے ہوتے ہیں۔ ایک دھاگہ دوسرے دھاگہ کی ضد ہوتا ہے، ان میں سے ایک دھاگے کے اوپر ایک بیس (Base) ہوتا ہے، جس میں ایک شکر اور ایک فاسفیٹ جڑا ہوتا ہے۔

جین، ڈی این اے کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں جس میں کھاروں کی ایک مخصوص ترتیب ہوتی ہے۔ تین کھاروں کی لگاتار ترتیب سے ایک مخصوص ایمنو ایسڈ کوڈ کی جاتی ہے۔ ہماری تمام خصوصیات جیسے رنگ، جسامت، اعضاء وغیرہ تقریباً ایک لاکھ پروٹین سے بنتے ہیں اور اس کے لئے ۳۰ ہزار جین ہوتے ہیں۔

جین کی بناوٹ ڈی این اے کی ہوتی ہے اور ڈی این اے ہر جان دار کو ماں اور باپ سے وراثت میں تخم اور بیضہ کے ذریعہ ملتی ہے۔ اس طرح ڈی این اے ایک کتاب کی طرح ہوتی ہے جس کے الفاظ جین ہوتے ہیں اور ہمارے جسم کی بناوٹ ان ہی الفاظ کے اشارہ پر کی جاتی ہے۔ جیسا جین ویسا جسم۔

ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج

ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج بذاتِ خود کافی حد تک قابلِ اعتماد ہوتے ہیں، یہاں تک کے اس کے نتائج کی درستگی کا تناسب ۹۹ فیصد تک پہنچتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس ٹیسٹ کو انتہائی باوثوق ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ ٹیسٹ کے نتائج کا یہ تناسب تب ہے جب اس میں کسی بھی مرحلہ پر کوئی بھی غلطی نہ ہوئی ہو۔ مگر چونکہ ڈی این اے ٹیسٹ میں بہت سارے مشینوں اور ماہرین کا واسطہ ہوتا ہے اس لیے اس میں غلطی کے بھی کافی امکان آجاتے ہیں۔ اگر جائے واردات سے درست طریقے سے نمونہ حاصل نہ کیا جائے یا مشین میں کسی طرح کا بھی کوئی جراثیم یا وائرس ہو، یا معلومات کو ایک مشین سے دوسرے مشین میں نقل کرنے میں غلطی ہو، یا متعلقہ ماہرین کی مہارت اور نگرانی میں کسی طرح کی کمی ہو، یا لیبارٹری میں نمونے باہم تبدیل ہو جائیں تو اس طرح کے بہت سارے احتمالات کا اثر براہ راست ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج پر پڑتا ہے۔

یہ محض احتمالات نہیں بلکہ اس فن کے ماہرین کے مطابق اس طرح کے واقعاتی شواہد موجود ہیں، جس کی مزید تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۵ء تک کیے گئے ڈی این اے ٹیسٹ کے تقریباً (۲۶،۲۰۰) نتائج اس طرح کی وجوہات کی بنا پر غلط ثابت ہوئے ہیں۔

پہلی بحث: حدود و قصاص کا تعارف اور ان کے ثبوت کا شرعی طریقہ کار

"حدود" حد کی جمع ہے، لغت میں روکنے کو کہتے ہیں، اس وجہ سے چوکیدار اور دربان کو "حداد" کہا جاتا ہے۔[2] اور حدود اللہ، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ امور کو کہا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلاَ تَقْرَبُوهَا"[3]

حد کی اصطلاحی تعریف

فقہاء احناف کے ہاں اس کی تعریف یہ ہے: "عُقُوبَةٌ مُقَدَّرَةٌ وَجَبَتْ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى"[4]، یعنی "حد" وہ تمام مقررہ سزائیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر دی جاتی ہیں۔ جب کہ فقہاء شافعیہ وحنابلہ اس کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں: "عُقُوبَةٌ مُقَدَّرَةٌ عَلَى ذَنْبٍ وَجَبَتْ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى كَمَا فِي الزِّنَى، أَوِ اجْتَمَعَ فِيهَا حَقُّ اللَّهِ وَحَقُّ الْعَبْدِ كَالْقَذْفِ"[5] بعض فقہاء نے اس کی تعبیر عُقُوبَةٌ مُقَدَّرَةٌ بِتَقْدِيرِ الشَّارِعِ کے الفاظ سے کی ہے[6]۔ شریعت اسلام میں حدود کی تعداد چھ ہے: ڈاکہ، چوری، زنا، تہمتِ زنا، شراب خوری، مرتد کی سزا۔

جن جرائم پر سزائیں مقرر نہیں کی گئی ہیں، بلکہ امیر و قاضی کی صواب دید پر رکھی گئی ہیں، وہ فقہ کی اصطلاح میں "حد" نہیں ہیں، بلکہ انہیں "تعزیر" کہا جاتا ہے۔

قصاص عربی لغت کے اعتبار سے مماثلت اور کسی کے نقش قدم پر چلنے کو کہتے ہیں [7]۔ اور شریعت کی اصطلاح میں کسی شخص کو جسمانی ایذا یا قتل کر دینے کی وجہ سے مجرم کو وہی سزا دینے کا نام "قصاص" ہے [8]۔ عربی زبان میں اس کو "قود" بھی کہتے ہیں اور حدیث میں بھی قصاص کے لیے یہی لفظ استعمال ہوا ہے [9]۔

حدود وقصاص میں فرق

امام ابن عابدین شامیؒ اور ابن نجیم حنفیؒ نے ان دونوں کے مابین درج ذیل فروق کو ذکر کیا ہے [10]:

- حدود، وراثت کے طور پر منتقل نہیں ہوتے، جب کہ قصاص وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔
- حدود، بندے کی معافی سے معاف نہیں ہوتے، جب کہ قصاص اولیاء کی معافی سے معاف ہو جاتا ہے۔
- قصاص، گونگے کے اشارہ اور کتابت سے ثابت ہو جاتے ہیں، جب کہ حدود ثابت نہیں ہوتے۔
- حدود کے معاملہ میں کسی کی سفارش کرنا جائز نہیں، جب کہ قصاص میں جائز ہے۔
- حدود میں اقرار کے بعد رجوع کرنا جائز ہے، جب کہ قصاص میں جائز نہیں۔
- حدِ قذف کے علاوہ باقی حدود کے لیے دعوی کرنا ضروری نہیں، جب کہ قصاص کے لیے مدعی کا دعوی شرط ہے۔
- بعض فقہاء کے نزدیک تقادمِ زمانہ کی وجہ سے قصاص کی گواہی دینا جائز ہے جب کہ حدود میں بر خلاف حدِ قذف کے جائز نہیں۔

حدود و قصاص کے ثبوت کا شرعی طریقہ کار

زنا اور قتل جیسے حدود و قصاص میں ڈی این اے ٹسٹ کے کردار پر روشنی ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم مختصراً یہ جائزہ لیں کہ حدود و قصاص کو ثابت کرنے کے لیے شریعتِ اسلامی نے کن کن طریقوں کو معتبر قرار دیا ہے۔

اس بات پر سب فقہاء کرام متفق ہیں کہ "گواہی" اور "اقرار" مطلوبہ شرائط پائے جانے کے بعد، حدود کو ثابت کر دیتے ہیں۔ جب کہ امام کے علم اور عورت کا حمل جیسے قرائن سے حدود کے اثبات میں فقہاء سے مختلف آراء منقول ہیں۔

پہلا طریقہ: حدود میں گواہی کے شرائط

حدود میں گواہی کے متفقہ شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ گواہ مرد ہو، عورت کی گواہی معتبر نہیں۔ احناف وشوافع کے صحیح مذہب کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ گواہی اصالۃً دی جائے، بالواسطہ سنی ہوئی بات پر گواہی نہ دے[11]۔

حدِ زنا کی صورت میں اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ گواہوں کی تعداد چار ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاللاَّتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ ''[12]۔ حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں گواہی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ سب گواہ ایک مجلس میں گواہی دیں[13]۔

صرف احناف کے مذہب کے مطابق زنا، چوری اور شراب نوشی کے حدود میں گواہی کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ "تقادم" نہ ہو، یعنی معاملہ پرانا اور قدیم نہ ہو گیا ہو۔ جب کہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے مذہب کے مطابق کسی پرانے جرم کی گواہی بھی دی جاسکتی ہے[14]۔

دوسرا طریقہ: اقرار

حدود کے ثبوت کا دوسرا بنیادی طریقہ اقرار ہے۔ عاقل، بالغ مرد یا عورت جب اپنی زبان سے جرم کا اعتراف کرلے تو اس سے بھی حد کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ البتہ زنا کے اقرار میں حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اقرار چار مرتبہ کیا جائے[15]۔

کیا قرائن سے حدود وقصاص ثابت ہوسکتے ہیں؟

جمہور فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ حدِ زنا امام اور قاضی کے علم سے ثابت نہیں ہو سکتا، اس لیے وہ محض اپنے علم کی بنیاد پر کسی پر حدِ زنا جاری نہیں کرسکتے۔

غیر شادی شدہ لڑکی جس کا حمل ظاہر ہوا ہو اور وہ زنا کا انکار کرے، ایسی صورت میں حمل کے ظہور کی وجہ سے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حدِ زنا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ حمل، "اکراہاً (زبردستی)" یا "وطی بالشبہ" کی وجہ سے ہوا ہو[16]۔

سیدنا عمرؓ نے ایسی ہی ایک حاملہ خاتون پر حد جاری نہیں کیا[17] اور سیدنا علیؓ و ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب "حد" کے اندر "لعل (شاید)"، "عسی (ہوسکتا ہے)" کا لفظ آجائے تو وہ معطل ہو جاتا ہے[18]۔

علامہ کمال بن الھمامؒ فتح القدیر میں حدود کے اندر شبہات کو دو قسموں: شبہ فی الفعل اور شبہ فی المحل کے بیان کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

''وَأَيْضًا فِي إجْمَاعِ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ عَلَى أَنَّ «الْحُدُودَ تُدْرَأُ بِالشُّبُهَاتِ» كِفَايَةٌ، وَلِذَا قَالَ بَعْضُ الْفُقَهَاءِ: هَذَا الْحَدِيثُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَأَيْضًا تَلَقَّتْهُ الْأُمَّةُ بِالْقَبُولِ. وَفِي تَتَبُّعِ الْمَرْوِيِّ عَنْ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَالصَّحَابَةِ مَا يُقْطَعُ فِي الْمَسْأَلَةِ''[19]

''اور حدود کا شبہات کی وجہ سے ساقط ہونے پر کئی شہروں کے فقہاء کا اجماع اس باب میں کافی ہے، اور بعض فقہاء نے تو اس حدیث کو متفق علیہ قرار دیا ہے، جب کہ امت نے بھی اس حدیث کو شرفِ قبولیت بخشا ہے۔رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے مروی روایات کا جائزہ لینے سے اس مسئلہ میں یہی یقینی نتیجہ برآمد ہوگا''

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی حدود و قصاص میں ڈی این اے کی طرح دیگر قرائن کے حکم کے بارے میں دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و لا يحكم عند جمهور الفقهاء بهذه القرائن في الحدود لأنها تدرء الشبهات ، و لا في القصاص و لا في القسامة للاحتياط في موضوع الدماء و إزهاق النفوس[20]

قرائن کے موثر ہونے کے بارے میں دیگر علماء کرام کی رائے

بطورِ تمہید یہ بات ذہن نشین رہے کہ دو فریقین کے مابین فیصلہ کرنے کے لئے احادیث مبارکہ میں ایک جامع اصول وضع کیا گیا ہے، امام ترمذیؒ روایت کرتے ہیں: ''البينة على المدعي، واليمين على المدعى عليه''[21]

اس طرح کی دیگر احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے جمہور فقہاء کرامؒ نے "البینہ" سے "الشھادۃ" یعنی گواہی مراد لی ہے کہ مدعی پر گواہوں کو پیش کرنا ضروری ہے، اور گواہوں کی عدم موجودگی کی صورت میں مدعیٰ علیہ پر قسم لازم ہوگی۔

لیکن علامہ ابن تیمیہؒ[22]، علامہ ابن القیمؒ[23] اور ابن فرحونؒ[24] "البینہ" کے لفظ کو گواہی کے ساتھ خاص نہیں کرتے، بلکہ اس کے مفہوم کو وسعت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "البینہ" سے شریعت کا مقصد ایسی دلیل کا ظاہر ہونا ہے جو صاحب حق کی حقانیت پر دلالت کرتی ہو اور اس کے دعوی کو مضبوط کر دیتی ہو۔ لہذا ان کے ہاں ہر چیز جو صاحب حق کے حق کو ظاہر اور واضح کر دے، وہ ایسی دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے جس کی بنیاد پر قاضی فیصلہ کر سکے، چنانچہ علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:

''وَالْمَقْصُودُ أَنَّ " الْبَيِّنَةَ " فِي الشَّرْعِ: اسْمٌ لِمَا يُبَيِّنُ الْحَقَّ وَيُظْهِرُهُ، وَهِيَ تَارَةً تَكُونُ أَرْبَعَةَ شُهُودٍ، وَتَارَةً ثَلَاثَةً بِالنَّصِّ فِي بَيِّنَةِ الْمُفْلِسِ. وَتَارَةً شَاهِدَيْنِ، وَشَاهِدًا وَاحِدًا، وَامْرَأَةً وَاحِدَةً، وَتَكُونُ نُكُولًا وَيَمِينًا، أَوْ خَمْسِينَ يَمِينًا، أَوْ أَرْبَعَةَ أَيْمَانٍ. وَتَكُونُ شَاهِدَ الْحَالِ فِي الصُّوَرِ الَّتِي ذَكَرْنَاهَا وَغَيْرِهَا، فَقَوْلُهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي» أَيْ عَلَيْهِ أَنْ يُظْهِرَ مَا يُبَيِّنُ صِحَّةَ دَعْوَاهُ، فَإِذَا ظَهَرَ صِدْقُهُ بِطَرِيقٍ مِنْ الطُّرُقِ حُكِمَ لَهُ''[25]

''اور شریعت میں "البینہ" سے مقصود یہ ہے کہ جو حق کو ظاہر وواضح کر دے اور یہ کبھی چار گواہوں سے ہوتا ہے اور کبھی تین گواہوں سے، جیسا کہ مفلس کے بارے میں نص سے ثابت ہے، اور کبھی دو گواہوں سے اور کبھی ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے بھی، اور کبھی پچاس قسم یا چار قسم کے ذریعہ۔ رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ بینہ مدعی پر ہے، یعنی اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دعوی کی صحت کسی طرح سے ظاہر کر دے اور جب دعوی کی صداقت ظاہر ہو جائے تو اس پر فیصلہ کر دیا جائے''

ابن القیمؒ کے اس موقف کی وجہ سے عصرِ حاضر کے چند علماء اور دانشور ڈی این اے ٹیسٹ کو دوسرے دلائل کی طرح ایک دلیل ضرور مانتے ہیں مگر اس کے دائرہ کار کو حدود و قصاص کے علاوہ دیگر مسائل جیسے ثبوتِ نسب وغیرہ میں مفید سمجھتے ہیں۔ جب کہ حدود و قصاص کے اثبات میں احتیاط کی بنا پر، اور ان کا شبہات کے ساتھ ساقط ہونے کی وجہ سے ڈی این اے ٹیسٹ کو کار آمد تصور نہیں کرتے۔

''البینہ'' کو گواہی کے علاوہ ایک وسیع مفہوم میں استعمال کرنا جہاں جمہور فقہاء امت کے بر خلاف ہے، وہاں شریعت کی روح بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ اصطلاحات شرعیہ کو لغوی معنوں میں استعمال نہ کیا جائے، بلکہ ان کو شارع کی منشا پر موقوف رکھا جائے۔

رسول اکرم ﷺ سے امام بخاریؒ نے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جو ''البینہ'' کی تشریح اور تعیین کرتی ہے، اس میں ارشاد نبوی ﷺ ہے[26]: شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ، اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے واضح طور پر مدعی کو بتا دیا کہ تم نے اگر معاملہ حل کرنا ہے تو تمہارے لیے دو گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے، ورنہ مدعیٰ علیہ سے قسم لی جائے گی۔ اس حدیث میں مدعی کو یہ نہیں کہا گیا کہ کوئی بھی دلیل پیش کرو جو حقیقت حال کو واضح کر دے بلکہ صرف گواہ کو طلب کیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی دوسری حدیث میں ''البینہ'' سے مراد گواہی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کرام قرائن قطعیہ سے حقوق العباد میں مخصوص حالات میں استدلال کے قائل ہیں، جب کہ دیگر علماء کرام قرائن قطعیہ کو حدود و قصاص کے علاوہ کے لیے قوی دلیل سمجھتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ فقہاء امت نے حدود و قصاص کے اثبات کے لیے قرائن قطعیہ کے استعمال کو درست قرار نہیں دیا۔

دوسری بحث: ڈی این اے ٹیسٹ اور حدود و قصاص

مذکورہ بالا تفصیلات کا واضح مقصد حدود و قصاص کے شرعی حجتوں کے بارے میں جمہور فقہاء کرام کے آراء کا جائزہ لینا تھا، جس سے یہ معلوم ہوا کہ حدود و قصاص کے لیے شریعت نے کڑی شرائط لاگو کی ہیں، اور گواہوں اور اقرار کے بغیر حدود و قصاص کے نفاذ سے روکا گیا ہے۔ ڈاکٹر وھبہ الزحیلی فرماتے ہیں:

''و في الحدود الأخرى و القصاص اتفق جمهور الفقهاء على أنها تثبت برجلين لقوله تعالى : واستشهدوا شهيدين من رجالكم، و لا تقبل شهادة النساء ، و لا مع رجلٍ و لا مفرداتٍ''[27]

امت کا اس پر اجماع ہے کہ حدود، شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے[28]:

''ادْرَءُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ'' (حدود کو شبہات کی وجہ سے نافذ مت کرو)۔

اُم المؤمنین عائشہؓ سے مروی ہے:

''ادْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ، فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ''[29]

دوسری متفقہ رائے یہ گزر چکی کہ حدود و قصاص قرائن سے ثابت نہیں ہو سکتے، یہاں تک کہ غیر شادی شدہ عورت کے حاملہ ہونے کی صورت میں بھی، جب وہ زنا سے انکار کر لے، حمل کے قرینے کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

اب اگر ہم ڈی این اے ٹیسٹ کا جائزہ لیں تو اس میں نہ ہی گواہ بننے کی صلاحیت ہے، اور نہ ہی یہ قرینہ قطعیہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ ڈی این اے ٹیسٹ اگرچہ بذاتِ خود حیران کن حد تک درست نتائج دینے کی قابلیت رکھتا ہے، مگر عملاً اس کے نتائج پر بہت سارے عوامل اثر انداز ہو سکتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کے نتائج اس حد تک نہیں پہنچتے کہ ڈی این اے ٹیسٹ ناقابل تردید اور قطعی قرینہ بن سکے، بلکہ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک قرینہ ظنیہ کی ہو سکتی ہے۔

ڈی این اے ٹیسٹ میں کس قدر غلطیاں ہو سکتی ہیں، یہ ایک طویل بحث ہے، جس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے چند واقعاتی شواہد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جن میں محض ڈی این اے ٹیسٹ کی وجہ سے کتنے لوگوں کی گھریلو زندگی متاثر ہوئی اور کتنے ہی بے گناہ لوگوں کو مجرم قرار دیا گیا، جنہیں سزائیں بھی ہوئیں، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ دراصل مجرم کوئی اور تھا۔

پہلا واقعہ ڈی این اے ٹیسٹ کے غلط نتیجے کی وجہ سے نسب کی نفی کا ہے۔ برطانیہ کے مشہور اخبار (The Telegraph) میں ۱۱ فروری، ۲۰۰۱ء میں اس خبر کی سرخی ان الفاظ کے ساتھ لگی:

"False DNA test led father to reject daughter": A DNA testing Firm used by the Child Support Agency has submitted incorrectly telling a man that he was not the father of his daughter.

اس خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح ایک ثابت النسب بیٹی کے نسب کو نفی، ڈی این اے ٹیسٹ کی وجہ سے نفی کیا گیا، بلکہ پھر اس کو باقاعدہ عدالت میں اپنی ہی بیٹی کے حصول کے لیے درخواست دینی پڑی۔

اسی طرح ایک دوسرے واقعہ میں (Lazaro Sotolusson) نامی ایک شخص نے تین مختلف جنسی جرائم کے الزام میں ایک سال جیل میں بھی گزارا، اور جب اس پر عمر قید کے مقدمہ کی سماعت ہو رہی تھی تو معلوم ہوا کہ اس کا نام غلطی سے کسی اور شخص کے ڈی این اے نمونہ پر لکھ دیا گیا تھا۔ اس خبر کی تفصیلات (Las Vegas Review- Journal) کے ۱۸-۱۹ اپریل، ۲۰۰۲ء کے شماروں میں چھپی جس کا عنوان تھا:

"DNA Evidence: Officials admit error, dismiss case": Authorities acknowledged Wednesday that a clerical error at the Las Vegas police forensics lab led to a man being jailed for a year for sex crimes he did not commit.

ولیم تھامسن (William C. Thomson) (جو کیلیفورنیا یونیورسٹی کے شعبہ جرائم کے استاد ہیں)، نے جون ۲۰۰۸ میں نیویارک یونیورسٹی میں (Forensic DNA Databases and Race: Issues, Abuses and Actions) کے عنوان سے منعقدہ کانفرس میں تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ پیش کی، جس کا نام یہ تھا:

(The Potential for Error in Forensic DNA Testing (and How That Complicates the Use of DNA Databases for Criminal Identification)

اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج کو جس طرح میڈیا اور اخبارات میں ایک ناقابل تردید سچ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ اس میں غلطی کی گنجائش ہی نہیں؛ یہ درست نہیں۔ پھر انہوں نے متعدد دلائل سے ثابت کیا

ہے کہ فارنسک نمونہ اکھٹا کرنے سے اس کے آخری نتائج کے حصول تک کس طرح کن کن مراحل میں غلطیاں پیدا ہونے کے امکانات ہوتے ہیں، اور امریکہ کے متعدد مقدمات کا حوالہ بھی دیا ہے، جس میں دیگر شواہد کی عدم موجودگی میں ڈی این اے ٹیسٹ کا اعتبار نہیں کیا گیا اور ملزموں کو بری کر دیا گیا[30]۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ میں غلطی کا احتمال موجود ہوتا ہے۔

ڈی این اے ٹیسٹ کا ایک دوسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مثلاً جائے واردات سے جو فارنسک نمونے حاصل کئے جاتے ہیں، ان کے ڈی این اے ٹیسٹ کے نتائج کو اگر تمام تر غلطیوں اور پیچیدگیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے سو فیصد درست بھی مان لیا جائے تو ٹیسٹ سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہو سکتا ہے کہ یہ شخص جائے واردات پر موجود تھا! اب کیا یہ جرم بھی اسی شخص نے کیا؟ کیا اس وقت وہ اپنے مکمل ہوش و حواس میں تھا؟ کیا وہ جرم کرنے میں خود مختار تھا، یعنی جبر و اکراہ کی صورت تو نہیں تھی؟ یا کیا اس نے یہ جرم قصداً عمداً کیا یا غلطی سے سرزد ہوا؟ اس طرح کے دیگر کئی اہم سوالات کے جوابات ڈی این اے ٹیسٹ سے نہیں ملتے، حالانکہ یہ سوالات حدود و قصاص کی سزاؤں پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔

انہی وجوہات کی بنا پر معاصر فقہاء کرام اور محققین نے ڈی این اے ٹسٹ کو زیادہ سے زیادہ ایک ایسا قرینہ ظنیہ قرار دیا ہے، جس سے حدود و قصاص کو ثابت نہیں کیا جا سکتا، البتہ مجرم کی تعیین اور جرم کی تفتیش میں دیگر شواہد کی موجودگی میں اس سے رہنمائی ضرور لی جا سکتی ہے۔

شیخ وہبہ الزحیلیؒ ڈی این اے ٹسٹ کے بارے میں لکھتے ہیں[31]:

''بما أن المقرر لدى فقهاء المذاهب غير الظاهرية و هو درء الحدود والقصاص و كذا التعازير بالشبهة ، فإنه يصعب القول بإقامة حد الزنا و غيره على الزناة بمجرد البصمة ، لوجود احتمالات أو شبهات لا في نتيجة البصمة ذاتها ، و إنما فيما يلابسها أو يخالطها من شبهات تتعلق بظروف محيطة بها من الطبيب و الآلة و نحوهما''

''یعنی ڈی این اے ٹیسٹ میں متعدد وجوہات کی بناء پر شبہات پیدا ہوتے ہیں اس لیے حدود و قصاص کو ڈی این اے ٹیسٹ کی وجہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ حدود و قصاص، شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں''

مجمع الفقہ الاسلامی لرابطۃ العالم الاسلامی نے سن ۱۹۹۸ء میں مکہ مکرمہ میں ڈی این اے ٹیسٹ کی حجیت اور دائرہ کار کے بارے میں ہونے والے اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی تھی کہ ڈی این اے ٹیسٹ سے حدود و قصاص ثابت نہیں ہو سکتے، البتہ دیگر جرائم میں اس کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔[32]

حدود و قصاص میں ڈی این اے ٹیسٹ کے غیر معتبر ہونے کا یہ مقصد نہیں کہ اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں، بلکہ ڈی این اے ٹیسٹ چونکہ ایک قرینہ کی مانند ہے جس کی وجہ سے ٹیسٹ کی بدولت تفتیش کے عمل کو بآسانی آگے بڑھایا جا سکتا ہے، بے گناہوں کی بے گناہی کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ نیز قاضی اور جج اس ٹیسٹ کی بنیاد پر ملزم پر ایک طرح کا ذہنی دباؤ ڈال سکتے ہیں، جس کی وجہ سے ملزم جرم کرنے کی صورت میں اقرار پر مجبور ہو سکتا ہے اور قاضی اس کے خلاف اس کے اقرار کی وجہ سے فیصلہ صادر کر سکے گا۔[33]

نتائج بحث اور سفارشات

- ڈی این اے ٹیسٹ سے حدود و قصاص کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔
- گواہوں اور اقرار کی عدمِ موجودگی میں ڈی این اے ٹیسٹ کی وجہ سے کسی کو قاتل یا زانی قرار نہیں دیا جا سکتا۔
- اس ٹیسٹ کو حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کے ثبوت کے لیے دیگر شہادتوں کے ساتھ معتبر ماننا درست ہے۔
- ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے ایسے ادارے ہونے چاہئیں جو ہر قسم کے سیاسی و مسلکی دباؤ اور دیگر تعصبات سے بالاتر ہوں۔
- ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے ایسے افراد تیار کیے جائیں، جو اپنے کام میں مکمل مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایمان، تقویٰ اور اخلاص سے بھی لیس ہوں اور اُن کے اندر وہ تمام شرائط موجود ہوں جو ایک عادل گواہ کے لیے ضروری ہیں۔

حواشی و مراجع

[1] Ralf Dahm: Friedrich Miescher and the Discovery of DNA, P.1, Max Planck Institute for Developmental Biology, Tubingen, Germany, 2004.

[2] الخلیل، الفراہیدی (۱۷۰ھ): کتاب العین، باب الحاء مع الدال، ج۳، ص۱۹-۲۰، دار و مکتبۃ الھلال۔ الجوہری: الصحاح، ج۲، ص۴۶۲، دار العلم للملایین — بیروت، ط۱۹۸۷، ۴ء۔

[3] سورۃ البقرۃ: ۱۸۷۔

[4] الکاسانی، علاء الدین: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، فصل فی بیان أسباب وجوب الحدود، ج۷، ص۳۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۸۶ء۔

[5] منصور الحنبلی: کشاف القناع عن متن الاقناع، کتاب الحدود، ج۶، ص۷۷، دار الکتب العلمیۃ-بیروت۔

[6] الشوکانی: نیل الأوطار، باب ماجاء فی رجم الزانی، ج۷، ص۱۰۵، تحقیق: عصام الدین الصبابطی، دار الحدیث، مصر، ط۱، ۱۹۹۳ء۔

[7] الزبیدی: تاج العروس، قصص، ج۱۸، ص۱۰۰، دار الھدایۃ-بیروت۔

[8] عبد اللہ الحنفی: الاختیار لتعلیل المختار، ج۵، ص۲۴، مطبعۃ الحلبی-القاہرۃ، ۱۹۳۷ء۔

[9] ابن ماجہ: السنن، باب لا قود الا بالسیف، ج ۲، ص ۸۸۹، دار احیاء الکتب العربیۃ-بیروت۔ الزیلعی: نصب الرایۃ، باب مایوجب القصاص، ج ۴، ص ۳۳۴، تحقیق: محمد عوامہ، مؤسسۃ الریان للطباعۃ والنشر- بیروت، ط۱، ۱۹۹۷ء

[10] ابن عابدین: رد المحتار، کتاب الحدود، ج۴، ص۴، دار الفکر-بیروت، ۱۹۹۲ء۔ ابن نجیم: الاشباہ و النظائر، کتاب الحدود، ج ۱، ص ۱۵۷، دار الکتب العلمیۃ، ط۱، ۱۹۹۹ء۔

[11] النووی: روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتیین، ج۱۰، ص ۹۵، تحقیق: زھیر الشاویش، المکتب الإسلامی-بیروت، ط۲، ۱۹۹۱ء، الکاسانی: بدائع الصنائع، ج۷، ص۴۷، ۴۶۔

[12] سورۃ المائدۃ:۳۳۔

[13] الکاسانی: بدائع الصنائع، ج۷، ص۴۸۔ النووی: روضۃ الطالبین، ج۱۰، ص۹۷، ابن قدامہ: المغنی، ج۸، ص۲۰۰۔

[14] النووی: روضۃ الطالبین، ج۱۰، ص۹۸۔ ابن قدامہ: المغنی: ج۸، ص۲۰۷۔ الکاسانی: بدائع الصنائع، ج۷، ص۴۷۔

[15] حنفیہ کی دلیل سیدنا ماعزؓ کی مشہور حدیث ہے، جس کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح (ج۳، ص۱۳۱۹، ط الحلبی) میں نقل کیا ہے۔ الکاسانی: البدائع، ج۷، ص ۴۹۔ ابن قدامۃ: المغنی: ج۸، ص۱۹۱۔

[16] ابن قدامہ: المغنی، ج۸، ص۲۱۰۔ شرح فتح القدیر، ج۵، ص۴، دار احیاء التراث العربی۔

[17] دیکھئے: البیہقی: السنن الکبری، کتاب الحدود، باب من زنی بأمرأۃ مستکرھۃ، ج۸، ص ۴۱۰، رقم: ۱۷۰۴۸، دار الکتب العلمیۃ – بیروت، ط۳، ۲۰۰۳ء۔

[18] الدار قطنی: السنن، کتاب الحدود والدیات، ج۳، ص۱۲۰، عالم الکتاب-بیروت۔

[19] ابن الھمام: فتح القدیر، ج۵، ص۲۴۹، دار الفکر، بیروت، بدون الطبعۃ والتاریخ۔

[20] وھبۃ الزحیلی: الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۶، ص۲۴۵، دار الفکر، بیروت، ط ۲، ۱۹۹۵م ۔

[21] الترمذی، محمد بن عیسی: السنن، رقم: ۱۳۴۱، مکتبہ مصطفی البابی، ط ۲، ۱۹۷۵م۔

[22] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، ص ۴۵۲، دار العاصمہ، ۱۹۹۹م۔

[23] ابن القیم، محمد بن أبی بکر، الطرق الحکمیہ، ص ۲۴، دار البیان، بدون الطبعۃ والتاریخ۔

[24] ابن فرحون، إبراھیم بن علي: تبصرۃ الحکام في أصول الأقضیۃ ومناھج الأحکام، ج۱، ص۲۴۰، مکتبۃ الکلیات الأزھریۃ، ط۱، ۱۹۸۶م۔

[25] ابن القیم، محمد بن أبی بکر، الطرق الحکمیہ، ص ۲۴، دار البیان، بدون الطبعۃ والتاریخ۔

[26] البخاری، محمد بن اسماعیل: الصحیح، باب اذا اختلف الراھن والمرتھن، رقم: ۲۵۱۵، دار طوق النجاۃ، ط ۲۰۰۲، ۱م۔

[27] وھبۃ الزحیلی: الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج٦، ص ۵۷۱۔

[28] العسقلانی، ابن حجر: التلخیص الحبیر، ج۴، ص ۱۶۰، رقم: ۱۷۹۴، دار الکتب العلمیۃ۔ الزیلعی: نصب الرایۃ، کتاب الحدود، ج۳، ۳۳۳۔

[29] الترمذی: السنن، باب ماجاء فی درء الحدود، ج۴، ص ۳۳، رقم: ۱۴۲۴، مطبعۃ مصطفی البابی- مصر، ۱۹۷۵۔

[30] William C. Thompson: The Potential for Error in Forensic DNA Testing: page: 2, http: //www.councilforresponsiblegenetics.org & www.gene-watch.org.

[31] وھبۃ الزحیلی: البصمۃ الوراثیۃ ومجالات الاستفادۃ منہا، ص ۲۰۔

[32] مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، العدد السابع عشر، ص ۳۔ القرۃ داغی: البصمۃ الوراثیۃ من منظور الفقہ الاسلامی، ص ۲۸، مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، العدد السادس عشر۔

[33] مولانا یاسر ندیم: ڈی این اے ٹسٹ کے شرعی احکام، جدید فقہی مباحث، ج ۲۰، ص ۲۱۲، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ۲۰۰۹ء۔